فضیلۃ الشیخ غازی عزیر
(سعودی عرب)

معرفتِ نفس کی حقیقت

"نفس" جمہور صوفیہ کے نزدیک منبع شر ہے، تمام برے اعمال و افعال اسی سے ظہور پذیر ہوتے ہیں[1]۔ چنانچہ سلیمان دارانی کا قول ہے کہ "نفس امانت میں خیانت کرنے والا اور رضائے الہٰی کی طلب سے روکنے والا ہے"[2]۔ اسی لیے تہذیبِ نفس کہ جس کا مطالبہ راہِ سلوک میں پہلا قدم رکھنے کے ساتھ ہی ہوتا ہے اور جو مجاہدہ کا ... سے قبل معرفتِ نفس ضروری ہے۔ اس لحاظ سے معرفتِ نفس کو صوفیانہ زندگی کے نصاب العمل کی بنیادی کڑی سمجھا جاتا ہے۔ معرفتِ نفس کے بعد مجاہدہ کے ذریعہ نفس کا تزکیہ کیا جاتا ہے اور اس تزکیہ سے مشاہدۂ حق حاصل ہوتا ہے جو تصوف کی معراج ہے۔ تزکیۂ نفس کے لیے کیا جانے والا مجاہدہ مطالباتِ حیات کے خلاف سخت طرزِ عمل اختیار کرنے پر زور دیتا ہے، تاکہ نفس کے اندر دنیاوی چیزوں کی طرف رغبت پیدا ہونے کے امکان کا سدِ باب کیا جا سکے۔ اس رویہ کے پیچھے علماءِ تصوف کا یہ نظریہ کارفرما ہے کہ دنیا و مافیہا سے مکمل بے تعلقی کے بغیر معرفتِ نفس اور معرفتِ نفس کے بغیر معرفتِ حق تک رسائی ممکن نہیں۔ چنانچہ اس اعلیٰ مقصد کے حصول کے لیے رعونت، کبر اور غرورِ نفس کے دفعیہ کی خاطر نفس کی تذلیل، نیز مجاہدہ و ریاضت کے نت نئے طریقے ایجاد کیے گئے ہیں اور ان کے نتیجہ میں حاصل ہونے والی نفس کشی کو سب سے افضل عمل قرار دیا گیا ہے۔ چونکہ صوفیاء کے نزدیک مخالفتِ نفس بلکہ فنائے نفس ہی مقصود ہے، لہٰذا تمام مرغوبات و مشتہیات بلکہ جائز خواہشات تک سے ان کا اجتناب لازم ہوا۔

---

[1] کشف المحجوب للہجویری ص۱۷۵ طبع لاہور ۱۳۹۶ھ، عوارف المعارف للسہروردی ج۲ ص۸۴ طبع مصر ۱۲۹۲ھ، رسالہ القشیریہ للقشیری ص۵۶ طبع مصر ۱۳۰۴ھ
[2] کشف المحجوب للہجویری ص۱۷۶۔

بعض اربابِ تصوف کے نزدیک ایک انسان کی حیات کا حقیقی مقصد، بلکہ اس دنیا کو معرضِ وجود میں لانے کی حقیقی غرض وغایت یہ ہے کہ انسان اللہ عزوجل کی معرفت حاصل کرے۔ اسی لیے شیخ محی الدین ابنِ عربی اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں :

"من لم یعرف لم یعبد" [۳]

"جس نے اللہ کو نہیں پہچانا اس نے گویا عبادت ہی نہیں کی"

اربابِ تصوف کے علاوہ فقہائے حنفیہ کے نزدیک بھی معرفتِ نفس کی کچھ کم اہمیت نہیں ہے۔ چنانچہ بعض متاخرین نے اس موضوع پر مستقل رسائل مرتب کیے ہیں، جیسا کہ آگے بیان کیا جائے گا ۔ مولانا اشرف علی تھانوی مرحوم تو معرفتِ نفس کے متعلق یہاں تک فرماتے ہیں :

"اور امام ابوحنیفہ رح سے فقہ کی یہ تعریف منقول ہے: "معرفة النفس ما لها وما عليها" [۴]

معرفتِ نفس کی اہمیت کے متعلق ایک زبان زد حدیث اس طرح بیان کی جاتی ہے :

"مَنْ عَرَفَ نَفْسَهُ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهُ"

"جس نے اپنے آپ کو پہچان لیا، اس نے اپنے رب کو پہچان لیا"

امام ابن تیمیہ اور علامہ صغانی رح فرماتے ہیں کہ "یہ موضوع ہے"[۵] امام نووی رح کا قول ہے کہ "یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ہے" ابوالمظفر سمعانی رح "القواطع فی الکلام علی التحسین والتقبیح العقلی" میں بیان کرتے ہیں: "یہ مرفوعاً پہچانی نہیں جاتی۔ یہ یحییٰ بن معاذ الرازی کا قول ہے" جبکہ علامہ محمد درویش الحوت البیروتی رح علامہ سمعانی ونووی رحمہما اللہ کے اقوال نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں :

"بعض لوگوں نے اس قول کو ابوسعید الخزار کی جانب اور بعض نے یحییٰ بن معاذ الرازی کی جانب منسوب کیا ہے" [۶]

علامہ شیبانی الاثری رح نے "تمییز الطیب من الخبیث" میں علامہ سمعانی رح وامام نووی رح کے اقوال نقل کیے ہیں [۷] علامہ زرکشی رح نے اس کو "تذکرة فی الاحادیث المشتهرة" میں وارد کیا ہے ۔ اور اس کے

---

[۳] ماہنامہ سلسبیل لاہور ج ۲۸ عدد ۱۰ صفحہ ۱۵ ماہ اکتوبر ۱۹۹۰ء [۴] التکشف عن مہمات التصوف للتھانوی صفحہ ۱۳۰ طبع حیدرآباد دکن [۵] موضوعات للصغانی رح صفحہ ۳۵ [۶] اسنی المطالب للحوت رح صفحہ ۲۹۹ [۷] تمییز الطیب للشیبانی صفحہ ۱۸۷ ۔

تحت علامہ سمعانیؒ کا قول نقل کیا ہے۔[8] ملا طاہر پٹنی گجراتی حنفیؒ نے "تذکرۃ الموضوعات" میں امام ابن تیمیہؒ، امام سخاویؒ اور امام نوویؒ کے اقوال نقل کرنا کافی سمجھا ہے۔[9] علامہ سمہودیؒ نے "الغماز علی اللماز" میں صرف علامہ نوویؒ کے قول کو نقل کرنے پر اکتفاء کیا ہے۔[10] علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے "الدرر المنتشرۃ" میں علامہ زرکشیؒ کی اتباع کی ہے[11]۔ اور اپنی دوسری کتاب "ذیل الموضوعات" کی ایک فصل، جس میں امام نوویؒ نے اپنے فتاوی وغیرہ میں جن احادیث کو باطل قرار دیا ہے، کے تحت لکھتے ہیں:

"آں رحمہ اللہ سے من عرف نفسہ عرف ربہ ومن عرف ربہ کل لسانہ کے متعلق سوال کیا گیا کہ کیا یہ حدیث ثابت ہے؟ تو آپؒ نے جواب دیا: ثابت نہیں ہے۔"[12]

علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے اس زبان زد حدیث پر مستقل ایک لطیف رسالہ بعنوان "القول الأشبہ فی حدیث من عرف نفسہ فقد عرف ربہ" لکھا تھا، جو "الحاوی للفتاوی" میں موجود ہے۔ اس رسالہ میں آں رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔"[13]

صاحب القاموس علامہ فیروز آبادیؒ فرماتے ہیں:

"یہ احادیث نبویہ میں سے نہیں ہے، حالانکہ اکثر لوگ ایسی چیزوں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بنا دیتے ہیں کہ جن کی اصل صحیح نہیں ہوتی۔ البتہ "اسرائیلیات" میں مروی ہے:

"یا انسان اعرف نفسك تعرف ربك۔"[14]

علامہ سخاویؒ "مقاصد الحسنہ" میں سمعانیؒ و نوویؒ کے اقوال نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

"بعض لوگ اس حدیث کی تاویل میں کہتے ہیں کہ جس نے اپنے نفس کو حدوث کے ساتھ پہچانا اس نے اپنے رب کو قدم کے ساتھ پہچانا۔ یا اسی طرح جس نے اپنے نفس کی فنا کو پہچانا، اس نے اپنے رب کی بقاء کو پہچانا۔"[15]

ملا علی قاری حنفیؒ ابن تیمیہؒ، سمعانیؒ اور نوویؒ کے اقوال نقل کرنے کے بعد تاویلاً فرماتے ہیں:

---

[8] تذکرۃ فی الاحادیث المشتہرۃ للزرکشیؒ ص ۲۹ [9] تذکرۃ الموضوعات للفتنیؒ ص ۱۱ [10] غماز علی اللماز للسمہودیؒ ص ۱۵ [11] الدرر المنتشرۃ للسیوطیؒ ص ۲۹۰ [12] ذیل الموضوعات للسیوطیؒ ص ۲۰۳ [13] الحاوی للفتاوی للسیوطیؒ ج ۲ ص ۳۵۱ [14] الرد علی المعترضین علی الشیخ ابن العربی للفیروز آبادیؒ ج ۲ ص ۳۷ (ق) [15] مقاصد الحسنہ للسخاویؒ ص ۴۱۹

"لیکن اس کے معنی صحیح ہیں۔یعنی جس نے اپنے نفس کو باعتبارِ جہالت پہچان لیا، اس نے اللہ کو باعتبارِ علم پہچان لیا۔ یا جس نے اپنے نفس کی فنا کو پہچان لیا، اس نے اللہ کی بقاء کو پہچان لیا۔ یا جس نے اپنے عجز و ضعف کو پہچان لیا، اس نے اللہ کی قدرت اور قوت کو پہچان لیا۔ اور یہ بات قرآن سے بھی ثابت ہوتی ہے: "وَمَنْ یَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرَاهِیْمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ"[۱۶] (یعنی حضرت ابراہیمؑ کی ملت سے وہی انکار کر سکتا ہے جو اپنے نفس سے احمق ہو) یعنی اپنی جہالت کی بناء پر اللہ کو نہیں پہچانتا۔" [۱۷]

اور علامہ شیخ اسماعیل بن محمد عجلونی الجراحیؒ نے امام ابنِ تیمیہؒ، امام نوویؒ اور علامہ سمعا[نی] کے اقوال نقل کرنے کے بعد اس سے آگے تحریر فرمایا ہے:

"ابن الغرس نے نوویؒ کا قول نقل کرنے کے بعد بیان کیا ہے کہ صوفیہ کی کتب اس روایت سے بھری پڑی ہیں۔ اس حدیث کا سیاق شیخ محی الدین ابنِ عربی وغیرہ نے نقل کیا ہے۔ ہمارے استاذ شیخ حجازی الواعظ جو جامع الصغیر للسیوطیؒ کے شارحین میں سے ہیں، محی الدین ابن العربی کے متعلق فرماتے ہیں کہ ابنِ عربی حفاظِ حدیث میں سے تھے۔ بعض دوسرے اصحاب نے ذکر کیا ہے کہ اس حدیث کے متعلق شیخ محی الدین ابنِ عربی کا قول ہے کہ یہ حدیث اگر بطریقِ روایت صحیح نہ ہو تو بھی ہمارے نزدیک بطریقِ کشف صحت کے درجہ کو پہنچی ہوئی ہے . . . . اور علامہ نجم کا قول ہے کہ ماوردیؒ کی کتاب "ادب الدین والدنیا" میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ایک روایت اس طرح مذکور ہے: "سئل النبی صلی اللہ علیہ وسلم من اعرف الناس بربہ؟ قال اعرفھم بنفسہ" یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ اپنے رب کو سب سے زیادہ پہچاننے والا کون ہے؟ تو آپؐ نے فرمایا: ان میں جو سب سے زیادہ اپنے نفس کو پہچاننے والا ہو۔" [۱۸]

مذکورہ بالا علماء و محققین کے اقوال آپ نے ملاحظہ فرمائے۔ علامہ سخاویؒ نے اس حدی[ث]

---

[۱۶] سورۃ البقرہ: ۱۳۰ [۱۷] اسرار المرفوعہ للقاریؒ ص ۲۳۸ [۱۸] کشف الخفاء و مزیل الالباس للعجلونی ج ۲ ص ۳۴۳

کی تاویل میں بعض لوگوں کے جو اقوال نقل کیے ہیں یا اسی طرح ملا علی قاری حنفیؒ نے اس حدیث کو "صحیح المعنی" قرار دے کر اس کی طرح طرح کی تاویلات پیش کرنے کی کوشش کی ہے، یا قرآنِ کریم کی ایک آیت سے اس پر استدلال بھی کیا ہے، وہ کس درجہ عبث اور لایعنی ہے، اس کا اندازہ ہر شخص بخوبی کر سکتا ہے۔ لہٰذا ان صوفی منش حضرات کے موقف کا بطلان کرنے کی چنداں حاجت نظر نہیں آتی۔ جہاں تک علامہ عجلونیؒ کی "کشف الخفاء" کی منقولہ بالا عبارت کا تعلق ہے تو اس میں کئی امور انتہائی قابلِ گرفت ہیں۔ مثال کے طور پر:

- ۱۔ محی الدین ابنِ عربی وغیرہ کا اس حدیث کو اپنی کتب میں بار دینا: یہ کوئی انوکھی یا نرالی بات نہیں ہے، بلکہ اس جیسی ہزارہا شطحیات ان کی و دیگر صوفیاء کی تصانیف میں جا بجا بکھری نظر آئیں گی، اور کیا اس کا محض ان کی کتب میں بار پا جانا ہی اس کی صحت کی دلیل ہے؟
- ۲۔ شیخ محی الدین ابنِ عربی کے متعلق شیخ حجازی الواعظؒ کا قول کہ وہ حفاظِ حدیث میں سے تھے، قطعی باطل اور خلافِ واقعہ ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شیخ موصوف نے نہ ابنِ عربی کا بغور مطالعہ کیا ہے اور نہ ہی وہ حفاظِ حدیث اور ان کی جد و سعی کا خاطر خواہ علم رکھتے تھے ——— تاہم یہ اس کی تفصیل کا محل نہیں ہے۔
- ۳۔ شیخ اکبر محی الدین ابنِ عربی کا بذریعہ کشف حدیث کی صحت بیان کرنا بھی تمام اصولِ شریعت کو برہم کر دینے کے لیے کافی ہے۔ جس طرح ایک پیغمبر کو بواسطۂ جبریلؑ کلامِ الٰہی کی سماعت کا دعویٰ ہوتا ہے، ٹھیک اسی طرح محی الدین ابنِ عربی کے نزدیک ایک عالمِ باطن کو "حدثنی قلبی عن ربی" کا دعویٰ کرنے کا پورا اختیار ہوتا ہے[۱۹]۔ حالانکہ جمہور علمائے اسلام اس بات پر متفق ہیں کہ کسی فرد کے مکاشفات و منامات یا الہامات کو شرعی دلیل کے طور پر قبول نہیں کیا جا سکتا، اور نہ ہی ان سے شریعتِ مطہرہ کے احکام ثابت ہوتے ہیں۔ چنانچہ علامہ عبدالرحمٰن بن یحییٰ المعلمی الیمانیؒ وغیرہ فرماتے ہیں:

"یہ شریعت اس بات کی متقاضی ہے کہ کشف دین میں صالح استناد نہ ہو"[۲۰]

اور خواب اور کشف وغیرہ سے احادیث کی تصحیح کے متعلق شارحِ ترمذیؒ علامہ عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ فرماتے ہیں:

۱۹؎ فتوحات المکیہ لابن عربی ج ۱ صـ ۵۷۔ ۲۰؎ التنکیل بما فی تانیب الکوثری للیمانی ج ۲ صـ ۲۴۱

"جس حدیث کی صحت کا علم نہ ہو، وہ خواب میں صلی اللہ علیہ وسلم کے تصحیح فرمانے یا کشف والہام کے ذریعہ صحیح نہیں ہو سکتی، کیوں کہ خواب میں صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا حکم ثابت نہیں ہے۔ جب کہ آپؐ کی حیاتِ طیبہ میں جو کچھ آپؐ نے اس دنیا میں ارشاد فرمایا تھا اُس کا حکم ثابت ہے ــــ تصحیح حدیث کا مدار صرف اسناد پر ہوتا ہے۔ ملا علی قاری شرح النخبۃ میں فرماتے ہیں: کشف اور الہام اس مبحث سے غلطی کے احتمال کے باعث خارج ہیں[۲۱]"

اسی طرح شیخ محمد جمال الدین قاسمیؒ اپنی کتاب "قواعد التحدیث" میں باب "الرّد علی من یزعم تصحیح بعض الاحادیث بالکشف بانّ مدار الصّحۃ علی السّند" کے تحت لکھتے ہیں:

"یہ بات ہر خاص وعام کو معلوم ہے کہ احادیث صرف اسانید سے ثابت ہوتی ہیں نہ کہ کشف اور انوارِ قلوب وغیرہ سے۔" [۲۲]

ایسا دعویٰ کرنے والوں کے متعلق امام ابن الجوزی حنبلی بغدادیؒ نے کیا خوب فیصلہ صادر فرمایا ہے:

"جس نے حدّثنی قلبی عن ربّی کہا، اس نے درپردہ اس بات کا اقرار کیا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مستغنی ہے۔ اور جو شخص یہ دعویٰ کرے، وہ کافر ہے۔" [۲۳]

صوفیاء (بالخصوص ابنِ عربی) کے بذریعہ کشف صحتِ حدیث بیان کرنے کے متعلق مزید تفصیلات کے لیے راقم کی زیرِ طبع کتاب "ضعیف احادیث کی معرفت اور ان کی شرعی حیثیت" کی طرف رجوع فرمائیں۔

۴ ـ علامہ عجلونیؒ نے ماوردیؒ کی کتاب "ادب الدّین والدّنیا" سے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی جس حدیث کو بطورِ استشہاد نقل کیا ہے، وہ بھی "بے اصل" ہے، اس حدیث پر ان شاء اللہ ایک علیحدہ مضمون میں مفصل بحث کی جائے گی۔

۲۱ھ مقدمہ تحفۃ الاحوذی للمبارکفوریؒ ص ۱۵۲-۱۵۳۔ ۲۲ھ قواعد التحدیث للقاسمیؒ ص ۱۸۳-۱۸۵ ملخصاً
۲۳ھ تلبیس ابلیس لابن الجوزیؒ ص ۳۷۴۔

ان تمام قابلِ گرفت امور کو علامہ عجلونیؒ کا اپنی کتاب میں نقل اور پھر بلا تنقید چھوڑ دینا انتہائی تعجب اور افسوس کی بات ہے، بعید نہیں کہ آں رحمہ اللہ بھی واسع العلم اور جلیل الشان ہونے کے باوجود انھی صوفیانہ نظریات کے حامل رہے ہوں، واللہ اعلم!

اختتام سے قبل عصرِ حاضر کے دو مشہور علماء کی آراء بھی پیشِ خدمت ہیں:

محدثِ شام علامہ شیخ محمد ناصر الدین الالبانی حفظہ اللہ نے اس حدیث پر "بے اصل" ہونے کا حکم لگایا ہے، اور اظہارِ افسوس کے طور پر فرماتے ہیں:

"اس کے باوجود متأخرین فقہائے حنفیہ میں سے بعض نے اس حدیث کی شرح میں رسالہ لکھا ہے، جو کہ مکتبۃ الاوقاف الاسلامیہ حلب (مصر) میں محفوظ ہے.. یہ بات اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ یہ فقہاء انتہائی افسوسناک حد تک سنت کی خدمت اور اس میں داخل ہونے والی خارجی اشیاء سے اس کو چھانٹ پھٹک کرنے والے محدثینِ عظام کی جہود وسعی سے استفادہ نہیں کرتے۔ اسی باعث ان کی کتب میں ضعیف اور موضوع احادیث کی کثرت پائی جاتی ہے۔ واللہ المستعان" ۲۴ھ

اور جامعہ امام محمد بن سعود بالریاض کے استاذ شیخ عبدالفتاح ابو غدہ مصری، جو عصرِ حاضر میں فقہ حنفی کے مشہور ترجمان و شارح سمجھے جاتے ہیں، نے ملّا علی قاری حنفیؒ کی کتاب "الموضوع" کے ابتدائی صفحات میں "شذرات فی بیان بعض الاصطلاحات فی عبارات المحدثین لنقاد حول الاحادیث الموضوعۃ" کے زیرِ عنوان اس حدیث کو بحوالہ ذیل الموضوعات للسیوطیؒ وارد کرکے "غیر ثابت" بتایا ہے، فجزاہ اللہ:

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ الکریم۔

۲۴ھ سلسلۃ الاحادیث الضعیفہ والموضوعہ للالبانی ج ۱ ص ۹۶

۲۵ھ موضوع للقاریؒ ص ۲۷۔